(رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۳۵)

فہرست مضامین

جلد ۵ | ۵ جنوری ۱۹۱۸ء | شنبہ | مطابق ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ | نمبر ۵۴

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بخیریت ہیں۔ درس قرآن کریم روزانہ فرماتے ہیں۔

یکم جنوری کو جناب مولوی شیر علی صاحب کے چچا مولوی غلام نبی صاحب جو ایک مخلص اور حضرت مسیح موعود کے پرانے خدام میں سے تھے فوت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح نے بعد نماز مغرب مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہوس کے صحن میں پڑھا۔ اور بہشتی مقبرہ بہشتی میں دفن کی گئی۔ احباب مولوی صاحب مرحوم کی نماز جنازہ پڑھیں اور دعائے مغفرت کریں۔

جلسہ پر آنے والے احباب میں سے ابھی تک بہت سے احباب موجود ہیں۔

یکم جنوری کی شام کو ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء کی انجمن شبان الاسلام نے حضرت خلیفۃ المسیح کی معہ قریباً تین سو احباب کے سکول کے ہال میں دعوت کی کھانا کھانے کے بعد جناب مولوی عبد المغنی صاحب سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس نے طلباء کی اس انجمن کی رپورٹ پڑھی اور بتایا کہ گذشتہ سال کی موسمی تعطیلات سے چند ہی دن پہلے دونوں سکولوں کے طلباء میں اتحاد و یکجہتی اور قومی کاموں میں حصہ لینے کی روح پھونکنے کے لئے یہ انجمن بنائی گئی تھی۔ اس کی طرف سے پہلی دفعہ جب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی دعوت کی گئی۔ تو حضور نے مبرین انجمن کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ اس دفعہ دونوں سکولوں کے طلبا موسمی تعطیلات میں ہائی سکول کے ہال کیلئے چندہ جمع کریں۔ چونکہ اس ارشاد کے بعد تعطیلات کے شروع ہونے میں بہت تھوڑے دن رہ گئے تھے۔ اس لئے تحصیل چندہ کی تحریک اور انتظام خاطر خواہ اور پورے طور پر نہ ہو سکا اس وجہ سے خیال تھا کہ شاید طلباء کوئی قابل ذکر کام نہ کر سکیں۔ لیکن الحمد للہ کہ انھوں نے چھ سو روپیہ کے قریب محض ہال کے لئے اور ڈیڑھ سو روپیہ مدرسہ احمدیہ کے لئے یعنی کل ساڑھے سات سو روپیہ جمع کیا۔ ڈیڑھ سو روپیہ عنقریب اسی مد میں اور ملنے والا ہے۔ اس طرح نو سو روپیہ ہو جائیگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ اگر طلباء نو سو روپیہ جمع کریں۔ تو ایک سو روپیہ میں دونگا۔ اس پر ہم گذارش کرتے ہیں کہ حضور وہ رقم مرحمت فرما دیں۔ تاکہ چندہ میں برکت ہو

اس کے بعد مولوی عبد المغنی صاحب نے مذکورہ بالا انجمن کے متعلق کچھ قواعد پیش کئے۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا۔ کہ جو طالب علم دس روپیہ یا اس سے زیادہ کی رقم جمع کر کے لاتے ہیں۔ انھیں ممبر بنایا جائے۔ اور آئندہ بھی جو طالب علم کم از کم اتنی رقم لائے وہ ممبر ہو سکے

اس پر حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا کہ ماسٹر عبدالمغنی صاحب نے اس وقت جو رپورٹ انجمن مشبان الاسلام کی سنائی ہے۔ اس میں مجھے بھی اپنا ایک وعدہ یاد دلایا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے۔ کہ ڈیڑھ سو کی رقم ایسی تھی جو ابھی وصول نہیں ہوئی۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ جب انھیں یہ رقم وصول ہو جائے گی۔ اسی وقت میرے پاس آجائیں۔ میں اپنی موعودہ رقم دیدونگا باقی جو انھوں نے قواعد پیش کئے ہیں۔ ان کی اصلاح یا تصدیق کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ انھیں چاہیے تھا کہ پہلے میرے سامنے پیش کرتے۔ فی الحال اتنا میں کہتا ہوں کہ انھوں نے جو قاعدہ ممبروں کے متعلق تجویز کیا ہے۔ وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ اسلام کسی مذہبی انجمن کے ممبر کے لئے اس قسم کی کوئی شرط مقرر نہیں کرتا۔ بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی نے دینی کام کرنے میں کس قدر محنت اور کوشش سے کام لیا ہے۔ اگر ایک طالب علم کسی ایسی جگہ چندہ جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے جہاں کے لوگ احمدیت کے سخت مخالف ہیں۔ اور ایسے لوگوں سے جھڑکیاں طعنے اور سخت الفاظ سنتا پڑتے ہیں اور اس طرح وہ ایک پیسہ ہی چندہ لاتا ہے۔ تو وہ اس طالب علم سے بہتر ہے۔ جو اپنے باپ یا رشتہ داروں سے ایک بڑی رقم حاصل کر کے پیش کر دیتا ہے۔ پس اس قسم کی شرط اس روح اور جذبہ کو مٹانے والی ہے جو اسلام پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام اخلاص چاہتا ہے اس لئے ممبر بننے والوں کے لئے یہ شرط نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ کسی نے دین کے لئے کس قدر محنت اور کوشش کی ہے۔ باقی شرائط کے متعلق میں اس وقت فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں ایک اور بات کہنی چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ آجکل ایک مکروہ اور ناپسندیدہ لفظ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جو یہ ہے کہ "قومی کام"۔ یہ ایسے الفاظ انھیں لوگوں کے لئے رہنے چاہئیں جنہیں مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہمارا کوئی کام قومی نہیں کہلا سکتا۔ قومی کام تو یہ ہوتا ہے کہ ایک جتھا ہے۔ وہ اپنے سیاسی اغراض کے لئے جو کام کرتا ہے اسے قومی کام کہتا ہے۔ اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ کہ دین کیا کہتا ہے۔ وہ ہر کام میں اپنے جتھے کو مدنظر رکھتا ہے۔ کہ وہ نہ ٹوٹے۔ خواہ کسی دینی اور مذہبی بات کے خلاف ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ آجکل کے مسلمان کئی ایک کام ایسے کرتے ہیں۔ جو اسلام کے بالکل خلاف ہیں۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ قومی کام ہیں۔ کیا کریں۔ اگر ایسا نہ کریں تو قوم ٹوٹتی ہے۔ مگر دیکھو یہ لوگ جس کو قوم قوم کہتے ہیں۔ اس کو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ یا نہیں۔ بظاہر ہمارا غیر احمدیوں سے الگ ہونا ہمارے لئے نقصان کا باعث تھا۔ لیکن ہم نے دین کی خاطر اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ پس ہمارا کوئی کام قومی نہیں۔ بلکہ ہر ایک مذہبی ہے ایسے ہمیں یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اسے بالکل چھوڑ دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ سکھاتا ہے کہ جتھے کے مقابلہ میں مذہب کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔ ہاں ہمیں اپنی کوششوں اور کاموں کے متعلق مذہبی دینی اسلامی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

اخیر پر میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ طلباء کی اس انجمن نے جو کام کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہت کچھ ماسٹر عبدالمغنی صاحب کی کوشش کا نتیجہ ہے اس لئے جہاں کام کرنے والے طلباء قدر کے قابل ہیں۔ وہاں ماسٹر صاحب ان سب سے بڑھ کر تعریف کے مستحق ہیں۔ سب دوست دل سے انھیں جزاک اللہ کہیں۔ میرے نزدیک طلباء میں دینی کاموں میں حصہ لینے کی روح پیدا کرنا۔ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ ایک پودے کو پانی دیکر کارآمد بنانا۔ لیکن جب وہ بڑے ہو جائیں تو اس وقت یہ بہت مشکل کام ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ طلباء میں دینی کام کرنے کا احساس اور مادہ پیدا کیا جائے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھا جائے کہ اس سے ان میں کسی قسم کی نخوت تکبر اور بڑائی نہ پائی جائے۔ خدا تعالےٰ ہمارے بچوں کو دینی کاموں میں حصہ لینے کی توفیق بخشے۔

حسن نظامی صاحب کی خواہش کہیں بھی نہیں

آج ۲ - جنوری ۱۹۱۶ء کو اخبار خطیب کا ۲۲ دسمبر کا پرچہ دفتر الفضل میں موصول ہوا۔ جو الفضل کے تبادلہ میں آتا ہے۔ اس میں خواجہ حسن نظامی صاحب کی طرف سے ایک مضمون درج ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہی وہ مضمون ہے جس کے متعلق اس کے شائع ہونے کے بعد جیسا حضرت خلیفۃ المسیح کے پاس پہنچ جانے سے قبل ہی خواجہ صاحب نے محض اس لئے کہ دھوکہ دہی کی غرض سے مختلف اخبارات میں ایک تحریر بعنوان "ان کی خواہش لاہور میں" شائع کرائی تھی۔ اس کے بعض فقرات سے ظاہر تھا کہ اس کے لکھے جانے سے قبل وہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف لاہور میں مباحثہ کرنے کے متعلق کوئی مضمون بھیج چکے ہیں جس کے جواب کا انہیں انتظار ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ خواجہ صاحب نے ایسی دھوکہ دہی کو کیونکر روا رکھا اور انھیں ایسی خلاف بیانی کی کس طرح جرأت ہوئی خواجہ صاحب کی یہی حرکت ان کی دیانت اور تقوےٰ کے دامن کو پارہ پارہ کرنے کے لئے کافی تھی لیکن اب ان کا اصل مضمون پڑھ کر معلوم ہوا ہے۔ کہ انھیں کذب بیانی سے بھی پرہیز نہیں ہے انھوں نے اخبار درویش اور ستارہ صبح میں جو اطلاع قبل از وقت محض دھوکہ دہی کے لئے شائع کرائی تھی اس میں لکھا تھا کہ

"میں نے ان کی (حضرت خلیفہ ثانی کی) تیرہ کی تیرہ شرطیں تسلیم کر لی ہیں اور کسی شرط کے ماننے سے انکار نہیں کیا"

لیکن ان کے اصل مضمون سے ثابت ہے کہ انھوں نے ان نہایت ضروری اور لازمی شرائط کے ماننے سے صاف طور پر انکار کر دیا ہے جن کے ساتھ باقی شرائط وابستہ ہیں اور اس طرح گویا انھوں نے تیرہ کی تیرہ شرطیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

آگے اس مضمون کا جواب انشاء اللہ تعالےٰ عنقریب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی طرف سے شائع ہو جائیگا۔ اطلاعاً عرض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الفضل

قادیان دارالامان ۵ جنوری ۱۹۱۸ء

جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ

بابت ۱۹۱۷ء

۲۵-دسمبر کی کارروائی

اب کے سالانہ جلسہ کا افتتاح خدا کے فضل وکرم سے ۲۵-دسمبر بعد نماز ظہر مسجد نور میں ہوا۔ اگرچہ مسجد کا صحن پہلے ہی بہت وسیع ہے۔ اور گذشتہ سالانہ اجتماع اسی پر ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس سال اس کو جنوب کی طرف اور بڑھا دیا گیا تھا۔ اور گیلریوں کے ذریعہ جو بہت اونچی اور بلند بنائی گئی تھیں۔ سامعین کے بیٹھنے کے لئے بہت وسیع انتظام کیا گیا تھا۔

اس دن کا جلسہ زیر صدارت جناب مولانا مولوی سید سرور شاہ صاحب دو بجے کے بعد شروع ہوا۔ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلف الرشید حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی تلاوت قرآن کریم اور جناب قاسم علی خاں صاحب قادیانی۔ اور حکیم احمد حسین صاحب لائل پوری کے نظم پڑھنے کے بعد جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم مولوی فاضل تعلیم یافتہ مصر نے "غیر مسلموں کے اعتراضات اسلام پر۔ اور ان کے جوابات" پر لیکچر شروع کیا۔ جس کا خلاصہ ہدیہ احباب کیا جاتا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم کا لیکچر

شیخ صاحب نے آیت ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون تلاوت کرکے بیان فرمایا۔ کہ جب کبھی بھی کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے راستبازآیا اور سچی تعلیم دنیا کی راہ نمائی کے لئے اپنے ہمراہ لایا۔ اہل دنیا نے اس کو ہنسی میں اڑا دیا۔ اور بیجا اعتراضات کا نشانہ بنا کر اس کی تکفیر اور تکذیب کی۔ چونکہ اسلام بھی ایک صداقت تھی۔ اور تمام صداقتوں سے بڑھ کر صداقت تھی۔ اس لئے سنت مستمرہ کے مطابق اس کی بھی مخالفت کی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کے ابتدائی حالات۔ مصائب اور مشکلات اور مخالفین کا زور و شور بر رنگ ظلم وجور کوئی مخفی بات نہیں۔ لیکن کیا دشمنان اسلام کو کامیابی ہوئی۔ کیا وہ اسلام کی صداقت اور حقانیت کو مٹا سکے۔ کیا انھوں نے اس آب حیات سے سیراب ہونے سے مخلوق خدا کو روک دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ باوجود ان کی انتہائی کوشش اور سعی کے۔ باوجود حد سے بڑھ کر مخالفت کرنے کے اسلام دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔ پس ایسے خطرات کے وقت آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کا کامیاب مظفر اور منصور ہونا ہی اسلام کی صداقت کی ایک بین دلیل اور ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔

کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا

کہا جاتا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے ورنہ اس میں کوئی اصلی خوبی۔ اور روحانی جذب نہیں پایا جاتا تھا۔ ظلم وستم سے کام لیا گیا۔ اس لئے لوگ بیچارے جان ومال عزت وآبرو بچانے کے لئے بادل ناخواستہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مگر خدا تعالےٰ نے ایسے اسلام کے دشمنوں کے منہ بند کرنے۔ اور یہ بتلانے کے لئے کہ خود اسلام کے اندر ایسی کشش اور طاقت موجود ہے کہ بغیر جبر واکراہ کے اپنی صداقت کا اعتراف کرالیتا ہے۔ آیت ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰے ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کے مطابق اس زمانہ میں جبکہ دشمنوں نے اسلام کو نابود کر دینے کے لئے ناخنوں تک کا زور لگایا۔ اور اپنی کوئی کوشش اس کے خلاف اٹھا نہ رکھی۔ خدا تعالیٰ نے تمام مذاہب باطلہ پر اس کو کھلا کھلا غلبہ عطا کیا حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے۔ جبکہ اسلامی حکومت کا رعب دلوں سے بالکل اٹھ چکا ہے۔ بلکہ دنیاوی رنگ میں دیکھا جائے۔ تو تمام دیگر اقوام مسلمان کہلانے والوں پر سبقت لے گئی ہیں۔ ایسی حالت میں وہ مذہبی صداقت ہی ہے۔ جس نے تمام مذاہب پر اسلام کو غالب کیا ہے۔ نہ کہ سیف وسنان نے اور اس زمانہ میں قرآن کریم کی پیشگوئی لیظھرہ علی الدین کلہ اور آنحضرت کی پیشگوئی لا یزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق۔ کہ ایک گروہ ہمیشہ میری امت میں سے ایسا ہوگا۔ جو حق پر قائم ہوگا۔ اور اپنی تعداد سے زیادہ دوسروں پر غالب رہیگا۔

ان پیشگوئیوں کے پورا کرنے والا گروہ صرف احمدی فرقہ ہے۔ جس کے بانی صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود ہیں۔ اور جو محض روحانی تلوار سے اور دلائل کے حربے دنیا کے دلوں کو فتح کرتے ہیں۔ جس سے مخالفین کا یہ اعتراض کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ بالکل بے بنیاد ہو گیا ہے۔

مسئلہ الہام پر اعتراض اور ان کے جواب

غیر مسلم لوگوں کی طرف سے اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام کی مذہبی کتاب قرآن ہے۔ جسے الہامی کتاب ہونے کا دعوےٰ ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک تو الہام ہی کوئی چیز نہیں۔ اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے۔ جو کچھ نیچر میں پایا جاتا ہے۔ وہی انسان کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔ اس لئے قرآن ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ عقل کے ذریعہ ہی انسان نیچر کا مطالعہ کرکے خدا کو پا سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عقل انسانی کسی طرح

بھی اس کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عقل پیدائش انسانی کی اس غرض کو پورا نہیں کر سکتی جو خداوند تعالےٰ تک رسائی حاصل کرنے اس کا قرب پانے اور اس کی عبادت کرنے کی ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ ایک زبردست دلیل ہوتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا عقل پر بھروسا کرنے والوں میں سے کسی نے خدا کو پایا بھی ہے یا نہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اپنی عقل کے پیچھے جانے والے خدا کی ہستی کے ہی منکر ہو گئے ہیں۔ پس ہم کس طرح تسلیم کر لیں کہ عقل انسان کو خدا تک پہنچا سکتی ہے۔ ہاں عقل اخلاق کی کسی قدر اصلاح کر سکتی ہے۔ نہ کہ روحانی حالت کی۔ کیونکہ ایک چور کی عقل چوری کرنا اچھا خلق تصور کرتی ہے۔ قاتل کی عقل قتل کرنے عمدہ فعل تصور کرتی ہے۔ اور زانی کی عقل زنا کرنا پسند کرتی ہے۔ غرض الگ الگ عقلیں اور الگ الگ ہی اخلاق کا مفہوم ہے۔ پھر انسانی عقل کا یہ اختلاف اور تضاد دیکھیں یہ متضاد حکم ایک صحیح نقطہ پر کس طرح پہنچا سکتا ہے۔ پس جب اخلاقی امور میں ہی ہم عقل کے نتائج میں یہ نقائص دیکھتے ہیں تو روحانی امور میں اس کے تمام احکام کس طرح صحیح نتیجہ پر پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی روحانی اصلاح کے لئے الہام الٰہی کا محتاج ہے۔

الہامی کتاب کی موجودگی میں لوگ کیوں گمراہ ہوتے ہیں

اس کے متعلق ایک سوال کیا جاتا ہے۔

اور وہ یہ کہ اگر معرفت الٰہی کے لئے الہام کی ضرورت ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ الہامی کتابوں کے ہوتے ہوئے بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ الہام کا ہونا نہ ہونا ایک ہی ایسا ہے۔

میرے نزدیک یہ سوال خود ہی الہام کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ جب الہام کے ہوتے ہوئے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ تو نہ ہونے کی صورت میں تو گمراہی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رہیگا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں الہام کی پیروی کرنے والے تو خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔ مگر عقل کی پیروی کرنے والے۔ اس کی کوئی نظیر۔ کوئی مشاہدہ پیش نہیں کر سکے۔

یہ خدا تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ جب کسی الہامی کتاب میں تغیر و تبدل ہو گیا۔ اور اس کی پیروی کرنے والے گمراہ ہوئے ہیں۔ تو ان کی گمراہی کے واسطے دوسرا الہام نازل ہوا۔ مگر عقل سے گمراہ ہونے والوں کے لئے کوئی راہ نجات نہیں۔

کیا ضرورت الہام کو پورا کیا گیا ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ الہام کی ضرورت ہے۔ تو ضرورت اس امر کو ثابت نہیں کرتی کہ وہ پوری بھی ہو جاتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ زندہ رہے۔ مگر اس کو زندہ نہیں رکھا جاتا۔ وہ چاہتا ہے کہ مفلس نہ ہو۔ مگر مفلس ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بیمار نہ ہو۔ مگر بیمار ہو جاتا ہے۔

اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ یہ انسانی ضرورتیں نہیں۔ بلکہ انسانی خواہشیں ہیں۔ جن کا پورا ہونا کوئی ضروری امر نہیں۔ ہاں انسانی ضرورتوں کا پورا ہونا بہت ضروری بات ہے۔ جس کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ واٰتٰکم من کل ما سألتموہ۔ خواہ ضرورتیں جسمانی ہوں خواہ روحانی سب کو خداوند تعالےٰ نے احسن رنگ میں پورا کیا۔ آنکھ کو روشنی کی ضرورت تھی سو اس نے سورج پیدا کیا۔ زندگی کے قیام کے لئے ہر ایک ضروری چیز کو پیدا کر دیا۔ پس جب جسمانی ضرورتوں کو اس نے اس عمدگی کے ساتھ پورا کر دیا تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ وہ خدا ہماری روحانی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے احسن انتظام نہ فرماتا۔ پس جب الہام کی ضرورت تھی تو اس نے اس ضرورت کو بھی پورا کیا ہے۔

کامل معرفت کی ضرورت

پھر کہا جاتا ہے کہ اگر پوری معرفت الٰہی عقل سے نہیں ہو سکتی۔ تو کچھ نہ کچھ تو ہوتی ہے پس کامل معرفت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فطرۃ انسانی ترقی کو چاہتی ہے۔

ایک بھوکا جس کو ایک روٹی کی بھوک ہے۔ ایک دو نوالے اس کو کافی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح جب تک کامل معرفت حاصل نہ ہو ناقص معرفت انسان کو کافی نہیں ہو سکتی لیکن عقل سے اتنا تو ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی خدا ہونا چاہئے۔ مگر عقل یہ نہیں بتا سکتی کہ خدا تک پہنچنے کے کیا کیا ذرائع ہیں۔ پس پوری سیری الہام سے ہی ہو سکتی ہے۔

الہام سب انسانوں کو ہونا چاہئے

منکرین الہام کی طرف سے ایک بہت بڑا اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر الہام کوئی چیز ہے۔ اور معرفت الٰہی کی بناء الہام پر ہی ہے۔ تو پھر الہام سب کو ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک اگر عقل معرفت الٰہی بخشتی ہے۔ اور یہی کافی ہے۔ تو یہ اعتراض جو الہام پر کیا گیا ہے۔ عقل پر بھی پڑتا ہے۔ کیوں ہر ایک انسان کی عقل ایک ایسی نہیں ہوتی۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ عقول میں بڑا تفاوت ہے۔ پس جس طرح عقل مختلف استعدادوں کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح الہام بھی مختلف استعدادوں کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ مگر الہام کو عقل پر ایک یہ فوقیت ہے کہ ایک فلاسفر اپنی عقل سے جس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ وہ ایک جاہل کو اس نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اس میں ایسی باریک باتوں کے سمجھنے کی استعداد ہی نہیں ہوتی۔ لیکن ایک ملہم خدا داد خوارق کے ذریعہ جاہل سے جاہل کو بھی معرفت الٰہی میں یقین کے درجہ تک پہنچا سکتا ہے۔

کیا صرف نیچر معرفت الٰہی کا ذریعہ ہو سکتی ہے

پھر کہا جاتا ہے کہ نیچر ہی معرفت کے حصول کا

دائمی اور کھلا ہوا صحیفہ ہے۔ جس کا ہر وقت انسان مطالعہ کر کے معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ الہام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جبکہ آج تک اس کھلے ہوئے صحیفے کا مطالعہ کرنے والے خدا تک نہیں پہنچ سکے تو پھر اس کے کھلے ہونے کا فائدہ کیا۔ اور پھر اختلاف عقول کی وجہ سے جو مختلف نتیجے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس اختلاف کے ازالے کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

کیا الہام ترقی میں مانع ہے

الہام کے متعلق ایک اور بات کہی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس سے عقل کو نقصان پہنچتا۔ اور ترقی رک جاتی ہے۔ کیونکہ جب کسی کو یہ یقین ہو گیا کہ خدا خود ہی بتائے گا۔ تو پھر وہ عقل سے کام کس طرح لے سکتا ہے۔

یہ خیال قلت تدبر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ الہام وہ باتیں بتاتا ہے۔ جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔ اور جہاں عقل کی رسائی ہو سکتی ہے اسلام اس طرف صرف اشارہ ہی کر دیتا ہے کہ اس میں عقل دوڑاؤ۔ چنانچہ فرمایا ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف الیل والنہار لآیات لاولی الباب...... یتفکرون فی خلق السموٰت والارض۔ کہ آسمان وزمین کی پیدائش۔ اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لئے بڑے نشان ہیں۔ وہ عقلمند جو آسمان وزمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں۔ پھر سورج اور چاند ودیگر عجائبات قدرت کو پیش کیا ہے کہ انسان ان میں غور کرے۔ اور بار بار عقل سے کام لینے کی تاکید کی۔ تو الہام عقل کو ضعف نہیں پہنچاتا بلکہ عقل کو کام میں لگاتا ہے۔

قرآن کریم کو کیوں مانا جائے

ضرورت الہام کے ثابت کرنے کے بعد یہ سوال ہوتا ہے۔ کہ پھر صرف قرآن ہی کو ہم کیوں الہامی کتاب تسلیم کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی کتابوں کے الہامی ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ بلکہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر پھر یہ کہ ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً کہ ہر ایک گروہ میں خدا تعالیٰ نے ملہم لوگ پیدا کئے۔ اور دنیوی انعامات کا ہر مذہب وملت کے لوگوں پر وسیع ہونا بھی اس بات کو ثابت کرتا ہے۔ کہ تمام اقوام میں ملہم ہوئے ہوں۔ ہاں ترجیح کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ کہ پھر قرآن کو دیگر کتب پر ترجیح کیوں دیجائے

اول یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ الہامی کتاب اور اس کے لانے والے کی غرض کیا ہوتی ہے۔ سو قرآن کریم بتاتا ہے۔ کتٰب انزلنٰہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور کہ طرح طرح کی ظلمتوں سے لوگوں کو نکال کر روشنی میں لایا جائے۔ اور ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم اٰیٰتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ میں رسول کا کام بتایا ہے۔ کہ لوگوں پر اللہ کی آیات پڑھے۔ ان کو برائیوں سے پاک کرے۔ اور کتاب وحکمت سکھلائے۔

نزول قرآن کے وقت ظہر الفساد فی البر والبحر کے مطابق دنیا میں فساد برپا ہو چکا تھا۔ اور لوگ خدا سے بہت دور جا پڑے تھے۔ ان کی اخلاقی اور روحانی حالتیں نہایت درجہ گر چکی تھیں۔ کیونکہ پہلی کتابوں کے فیوض ختم ہو چکے تھے۔ جس کا ثبوت آج تک دنیا میں پایا جاتا ہے۔ کہ ان پر چلنے والا کوئی بھی اپنے خدا رسیدہ ہونے کا ثبوت نہ دے سکا جب وہ کتابیں اپنے اثر سے ایسی خالی ہو چکی ہیں تو پھر ان پر بھروسہ کرنا۔ اور ان سے پناہ حاصل کرنا بے فائدہ ہے۔ پھر وہ کتابیں خاص قوموں۔ اور خاص خاص علاقوں سے خصوصیت رکھنے والی تھیں لیکن چونکہ عالم الغیب خدا کے نزدیک ایک زمانہ میں دنیا کو ایک شہر کی مانند ہو جانا تھا۔ اس لئے الیوم اکملت لکم دینکم کے مطابق خدا تعالیٰ نے کامل شریعت نازل فرمائی۔ جو تمام دنیا کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا دعویٰ ہے۔ انزل ہذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ

پھر ایک ایسی جامع کتاب کی اس لئے بھی ضرورت تھی کہ پہلی کتابوں میں تحریف ہو چکی تھی۔ اور بوجہ محدود اور مخصوص تعلیم کے ان کی حفاظت کا ان میں وعدہ نہیں کیا گیا تھا۔ وہ ایک عارضی عمارتیں عارضی پناہ دینے کے لئے تھیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کی بجائے ان کی صداقتوں کو کامل کر کے قرآن کریم کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس لئے قرآن کو دودھ سے تشبیہ دی ہے۔ فرمایا۔ وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہا من بین فرث ودم لبنا خالصا کہ جانوروں کے خون اور لید سے خالص دودھ نکالتے ہیں۔ جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔

پھر شہد کی مکھی سے تشبیہ دی ہے۔ کہ جس طرح وہ مختلف پھولوں سے عمدہ عمدہ رس نکال کر لاتی ہے جو شہد کی صورت میں تمہارے لئے شفا کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن کی تعلیم بھی مختلف سماوی کتابوں سے جمع کی گئی ہے۔ اور تحریف۔ کہ خون اور گوبر ہے اس کو پاک کر کے تمہارے سامنے لا رکھا ہے۔ اور انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون کے مطابق اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا تعالیٰ نے لیا ہے۔

پھر پہلی کتابوں میں عموماً دعوے پائے جاتے ہیں دلائل نہیں ہوتے۔ اس ضرورت کو قرآن نے پورا کیا ہے۔ اور کوئی تعلیم صرف دعوے سے کامل نہیں کہلا سکتی۔ جب تک اس کے ساتھ دلائل نہ ہوں۔

ان وجوہات سے قرآن کریم کو دیگر کتب پر فضیلت ہے۔ جس کی وجہ سے اس کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔

ملائکہ کا وجود

غیر مذاہب کی طرف سے ایک اعتراض فرشتوں کے متعلق کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ کیا خدا بھی اپنی باتوں کو پہنچانے کے لئے وسائل وذرائع کا محتاج ہے۔ کہ فرشتہ کے ذریعہ کلام نازل کرتا ہے۔ یہ اعتراض برہموں۔ اور آریوں کی طرف سے کیا جاتا ہے جس سے ان کی کم سمجھی کا ثبوت ملتا ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کا کوئی کام اسباب سے خالی نہیں۔ جب جسمانی کاموں

میں خدا تعالےٰ اسباب سے کام لیتا ہے۔ بارش بادلوں کے ذریعہ برساتا ہے۔ آواز ہوا کے ذریعہ سنواتا ہے۔ بینائی سورج کے ذریعہ بخشتا ہے۔ تو اگر روحانی امور میں ملائکہ وسائل ہوں تو کیا حرج ہے۔ آخر اسباب کو پیدا کرنے والا بھی تو وہی ہے۔

پھر ملائکہ کے وجود سے اس لئے انکار کیا جاتا ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔ حالانکہ کسی چیز کا نہ دکھائی دینا اس کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ دنیا میں کئی ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود نظر نہیں آتا۔ مثلاً ہوا۔ خوشبو۔ عقل۔ وغیرہ۔ کیا ان کے ہونے سے کوئی انکار کر سکتا ہے۔ اگر نہیں تو فرشتوں وغیرہ کے نہ دکھائی دینے سے ان کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن تمام صلحاء فرشتوں کے متعلق چشمدید شہادت دیتے آئے ہیں اور ابھی اگر کوئی ان کو دیکھنا چاہے تو وہ طریق اختیار کرے جو ملہمین نے بتائے ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ کہ نیک اور متقی انسانوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ پس اس طرح ہر انسان چشمدید گواہ بن سکتا ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں نیکی اور بدی دونوں کی تحریکیں موجود ہیں۔ ایک انسان کسی اور کام میں مصروف ہوتا ہے کہ یکلخت اس کے دل میں کسی نیک کام کرنے کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ یا کسی بُری فعل کے ارتکاب کا خیال آ جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحریکیں پیدا کرنے والے ضرور کوئی خارجی اسباب ہیں۔ انھیں اسباب میں سے نیکی کے محرک کا نام شریعت اسلام فرشتہ رکھتی ہے اور بدی کے محرک کا نام شیطان۔

کیا شیطان بُرائی پر مجبور کر سکتا ہے

شیطان کے متعلق اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب خدا نے لوگوں کے گمراہ کرنے کے لئے شیطان کو پیدا کر دیا ہے۔ تو پھر ان کو کسی بُرائی پر سزا دینا ظلم ہے۔

اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس میں شک نہیں۔ کہ خدا نے شیطان کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ لوگوں کے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ اس کو بندوں پر غلبہ اور تسلط نہیں بخشا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ان عبادی لیس لک علیھم من سلطٰن کہ میرے بندوں پر شیطان کو کوئی قبضہ اور دخل نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ خدا نے شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس امر میں انسان مجبور ہوتا ہے اس میں وہ کسی انعام کا مستحق نہیں ٹھیرتا۔ جیسا کہ ملائکہ کا وجود خدا نے ایسا بنایا ہے کہ وہ بدی کر سکتے ہی نہیں۔ اس لئے وہ کسی انعام کے بھی مستحق نہیں۔ لیکن خدا نے نیکی اور بدی دونوں کو پیدا کر کے انسان کو قدرت بخشی ہے۔ اگر نیکی کرنا چاہے۔ تو وہ نیکی کر سکتا ہے۔ اور اگر بدی کرنا چاہے تو وہ بدی کر سکتا ہے تاکہ وہ جزا کا بہ لحاظ نیکی کرنے کے اور سزا کا بہ لحاظ بدی اختیار کرنے کے مستحق ٹھیرے۔ شیطان کسی کو بدی کی تحریک اُسی وقت کرتا ہے۔ جبکہ انسان پہلے کچھ غفلت دکھاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ بلعم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

واتل علیھم نبأ الذی اٰتینٰہ اٰیاتنا فانسلخ منھا فاتبعہ الشیطان فکان من الغٰوین۔ کہ جب اس سے یہ غفلت ہوئی۔ کہ ہماری آیات کو اس نے پس پُشت پھینکا تو پھر شیطان نے موقعہ پایا اور اس کے پیچھے پڑ کر اس کو گمراہ کر دیا۔ پھر فرمایا۔ کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ کہ جو شیطان کو اپنا دوست بناتا ہے۔ اُسی کو وہ گمراہ کر دیتا ہے۔

پھر خدا تعالےٰ نے یہ کتنی بڑی آسانی رکھی ہے جو فرمایا قل یٰعبادی الذین اسرفوا علےٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا انہ ھو الغفور الرحیم بدی کرنے سے فوراً خطرہ میں نہیں جاتی۔ اگر ولم یصروا علےٰ ما فعلوا کے ماتحت اس پر اصرار نہ کیا جاوے۔ اگر بدی کی جاوے تو پھر معاف بھی کر دیتا ہے۔ اور پھر حفاظت بھی فرماتا ہے۔ پس شیطان کو انسان پر کوئی تسلط نہیں۔ بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ بدی کو مزین کر کے دکھاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ یزین لھم الشیطان اعمالھم اور نبی کریم نے فرمایا ہے ما منکم من احد الا وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملئکۃ قالوا وایاک یا رسول اللہ قال وایای ولکن اللہ اعاننی علیہ فلا یامرنی الا بخیر کہ شیطان اور فرشتہ ہر آدمی کے ساتھ لگا ہوا ہے صحابہ نے سوال کیا کیا آپ کے ساتھ بھی ہے۔ فرمایا ہاں۔ لیکن خدا نے مجھے اپنے شیطان پر غلبہ بخشا ہے اس لئے اس نے بھی فرشتے والی ڈیوٹی لے لی ہے۔ اور مجھے بدی کی تحریک کرنے کی بجائے نیکی کی تحریک کرتا ہے۔ اور دیکھئے خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں پر کتنا بڑا فضل کیا ہے۔ کہ فرمایا۔ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزیٰ الا مثلھا کہ اگر ایک نیکی کی جائے تو اس کا بدلہ دس گنا دیا جائیگا۔ اور اگر ایک بدی کیجاوے تو اس کی سزا مساوی رکھی ہے۔

پس خدا تعالےٰ نے اگر شیطان کو ان کے ساتھ لگایا ہے۔ تو اس سے بچنے کے طریقے بھی بہت سے بتا دیئے ہیں۔ اور بہت سی دعائیں بھی رکھی ہیں۔

پھر ایک یہ بھی بہت بڑی رعایت ہے۔ کہ ملائکہ اہل ارض کے گناہوں کی معافی کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ ویستغفرون لمن فی الارض پھر یہ رعایت کہ انبیا کے ذریعے ہمیشہ شیطانی اور رحمانی طریقوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ پھر یہ رعایت اگر قیامت کے روز نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔ تو باقی بدیوں کو نظر انداز کر دیا جائیگا۔ پھر یہ کتنی بڑی رعایت ہے کہ دائمی جہنم نہیں۔ بلکہ ایک وقت میں سب کو جنت میں داخل کیا جائیگا۔ پس اگر شیطان نہ ہوتا تو انسان بڑے بڑے مدارج بھی حاصل نہ کر سکتا۔ ؎

گر نہ بودے در مقابل روئے مکروہ سیاہ

کس چہ داند کہ جمال شاہد گلفام را

کیا قیامت ایک محال امر ہے

قیامت کے متعلق غیر مذاہب کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اس کا ہونا محال امر ہے اس کی سب سے بڑی ضرورت تو یہ ہے کہ فاللّٰہ یحکم بینھم یوم القیامۃ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ جس بات کو وہ صحیح اور درست خیال کرتا ہے اس کو تمام دنیا مان لے۔ مگر یہ فطرتی تقاضا دنیا میں پورا نہیں ہوتا۔ جس کے پورا کرنے کے لئے قیامت کی ضرورت ہے جس میں کہ یقینی طور پر حق اور باطل میں فرق ہو جائیگا۔ اور حقیقت کھل جائیگی۔ باقی رہا یہ سوال کہ قیامت کا قیام امر محال ہے۔ کیونکہ انسانی جسم کے اجزا خاک میں مل کر تقسیم در تقسیم ہو جاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اصل چیز روح ہے جسم تو بطور اوزار اس کو دیا گیا ہے۔ ایک جسم جب کام کا نہیں رہتا تو دوسرا جسم اس کو دیا جاتا ہے کیونکہ روح جسم کے واسطے سے ہی دکھ سکھ محسوس کرتی ہے چنانچہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب کہ جہنمیوں کے جسم جل کر بے حس ہو جائیں گے تو بدل دیئے جائیں گے۔ تاکہ وہ عذاب محسوس کریں۔

پھر اعتراض کیا جاتا ہے کہ من بعثنا من مرقدنا ھذا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی جسم اٹھائے جائیں گے۔ اور آنحضرت نے فرمایا ہے کہ انسان کے وجود کے تمام اجزا خاک میں ملجاتے ہیں۔ مگر عجب الذنب جو ایک جزو انسانی ہے اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اس سے پھر نئے سر سے وجود بنایا جائیگا۔

اگر کہا جائے اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ حصہ محفوظ رہتا ہے۔ تو دیکھنا چاہئے کہ جب انسان یہ قدرت رکھتا ہے۔ کہ وہ بعض مصالحوں کے ذریعہ سارا جسم انسانی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جیسا کہ فرعون وغیرہ کی لاشیں اس بات پر شاہد ہیں۔ تو کیا خدا کو ایسی قدرت نہیں ہے۔ کہ وہ ایک جزو انسانی کو محفوظ رکھ سکے۔

پھر خدا تعالےٰ قیامت کے ثبوت میں فرماتا ہے کہ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا۔ آنحضرت کا بظاہر ایسی مخالفت اور کس مپرسی کی حالت میں کامیاب ہونا امر ناممکن تھا۔ مگر خدا تعالےٰ نے ان کو دنیا میں کامیاب کیا تو جس طرح خدا تعالےٰ نے اس ناممکن امر کو ممکن کر دیا۔ اسی طرح جن کے نزدیک قیامت ناممکن ہے وہ بھی ممکن ہو جائیگی۔ کیونکہ مذکورہ بالا آیت میں خدا تعالےٰ دو وعدے بیان فرماتا ہے۔ ایک یہ کہ مومنوں اور رسولوں کو دنیا میں مظفر و منصور کرونگا۔ اور پھر آخرۃ میں بھی۔ پس ایک ناممکن امر کا وقوع میں آجانا ثابت کرتا ہے کہ قیامت بھی قائم ہوگی۔ اور وہاں بھی مومن مظفر و منصور ہونگے۔

مسئلہ تقدیر

مخالفین اسلام کی طرف سے مسئلہ تقدیر پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ یہ مسئلہ انسان کو سست کر دینے والا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تقدیر کے معنی سمجھنے میں معترضین نے غلطی کھائی ہے۔ اس کے معنے ہیں اندازہ کرنا۔ خدا تعالےٰ نے ہر ایک چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے۔ اور قل لن یصیبنا الا ما کتب اللّٰہ لنا کے یہ معنی نہیں۔ جو عام طور پر تقدیر کے مفہوم کے سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ ہیں کہ خدا تعالےٰ نے یہ قانون مقرر کر دیا ہے کہ کتب اللّٰہ لاغلبن انا ورسلی کہ میرے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے۔ اور ان کے مخالفین ہمیشہ ناکام رہیں گے۔ اس لئے اسی قانون کے مطابق ہم بھی غالب رہیں گے۔

خدا کی صفات

پھر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام ایسے صفات کا خدا پیش کرتا ہے۔ جو بے علم ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ خدا نے فرشتوں سے مشورہ لیا کہ جو اس کے بے علم ہونے کی دلیل ہے لیکن اس آیت میں مشورہ کا کہیں ذکر تک نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں جگہ جگہ علم الٰہی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے ان اللّٰہ واسع علیم لا یحیطون بعلمہ پھر جس آیت پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کے ماقبل ہی یہ فقرہ ہے وھو بکل شیء علیم۔ دراصل خدا تعالےٰ کی صفات کا کامل ظہور نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ انسان کو نہ پیدا کیا جاتا۔ کیونکہ ملائکہ تو بدی کر سکتے ہی نہیں۔ اس لئے اگر انسان نہ پیدا کیا جاتا تو خدا تعالےٰ کی اکثر صفات پردہ اخفا میں رہتیں۔ اور ان کا ظہور نہ ہوتا۔ مثلاً وہ غفور ہے۔ وہ رحیم ہے۔ وہ منتقم ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ انسان خدا تعالےٰ کی تمام صفات کا مظہر ہے۔ اس لئے اس کو شان بھی یہ دی ہے۔ وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض۔ لیکن ملائکہ کو علیحدہ علیحدہ کام سپرد کئے گئے ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے مفوضہ کام کا علم رکھتا ہے دوسرے کی اس کو کچھ خبر نہیں۔ اسی بات کا اس آیت میں ذکر ہے۔ پھر اعتراض کیا جاتا ہے کہ خدا عالم الغیب نہیں ورنہ شیطان کو سجدے کا حکم نہ کرتا۔ لیکن یہ اعتراض تو ہر مذہب پر ہو سکتا ہے۔ مثلاً جو احکام وید کے پرمیشور نے بتائے ہیں۔ اگر اس کو علم ہوتا کہ لوگوں نے نہیں ماننے تو وہ حکم نہ دیتا۔ پھر چونکہ محبت حکم کے بعد ہوتی ہے۔ اس لئے اتمام حجت کے لئے حکم دیا جاتا ہے۔ تاکہ ملزم کا کوئی عذر نہ رہے۔

پھر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام کا خدا کمزور ہے۔ کہ وہ شیطان کا کچھ بگاڑ نہ سکا ہم کہتے ہیں کہ کیا دنیا میں اب بھی ایسے لوگ نہیں پائے جاتے۔ جو خدا کو گالیاں دیتے ہیں۔ مگر وہ صحیح و سلامت ہوتے ہیں۔ اصل میں خدا ایسوں کو ڈھیل دیتا ہے۔ کیونکہ جھٹ پٹ طیش میں آکر سزا دیدینا تو کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔ پس خدا کمزور نہیں۔ وہ مجرموں کو مہلت دیتا ہے۔ کیونکہ کوئی وجود اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا

خطبہ جمعہ

زندگی وقف کرنیوالوں کے متعلق خدا تعالیٰ کا شکریہ اور جلسہ کیلئے احباب قادیان کو نصیحت

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی - ایدہ اللہ

فرمودہ ۱۴ - دسمبر ۱۹۱۷ء

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ o وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ o

پہلے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ اس نے ہماری جماعت کو دین کی خدمت کی توفیق عطا کی۔ اور وہ اپنی ہمت اور مقدرت کے مطابق ضرور کوشش کرتی ہے۔ میں نے پچھلے جمعہ اعلان کیا تھا۔ کہ ہم اپنے مقصد میں اس ذریعہ سے کامیاب نہیں ہو سکتے اور اپنے فرض کو ادا نہیں کر سکتے کہ صرف مال سے ہی کام لیں۔ بلکہ ہماری کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہماری جماعت میں سے کچھ دوست ایسے کھڑے ہوں۔ جو اپنی زندگیوں کو وقف کر دیں تا ان کو جہاں بھیجا جائے چلے جائیں۔ جہاں مقرر کیا جائے کام کریں۔ کچھ ہنر سیکھیں۔ جس کے ذریعہ وہ اپنے کھانے پینے کا بندوبست کریں۔ تا ان کا جماعت پر کسی قسم کا بوجھ نہ ہو۔ ان کو کوئی تنخواہ جماعت کے فنڈ سے نہ دی جائے۔ لیکن کام وہ ایک انتظام کے ماتحت کریں۔

اس طریق پر کام کرنا ایسا مشکل کام ہے کہ اس کے لئے بہت کم لوگ نکل سکتے ہیں۔ یورپ جس کی آبادی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ اس میں سے بھی ایسے لوگ نکلنے مشکل ہیں اور اگر وہاں سے دس ہزار آدمی بھی نکل آئیں تو ان کی ہماری جماعت کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ باقی اور جماعتوں میں تو اس کی بہت ہی کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ اگر فی الحال ساری جماعت میں سے ۲۰ - آدمی بھی نکل آئیں۔ جو اپنے آپ کو اس راہ میں وقف کر دیں اور انہیں کسی وقت بھی کہیں جانے میں کوئی عذر نہ ہو۔ اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ تو خدا کے فضل کے ماتحت کامیابی کی فوری سبیل نکل آئیگی۔

ابھی وہ خطبہ چھپ کر باہر نہیں گیا تھا کہ قادیان کے دوستوں نے جیسا کہ ان سے توقع تھی۔ اور ان کو اس کا اہل ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ دوسروں کی نسبت بہت زیادہ قرآن کریم اور حدیث سنتے رہتے ہیں۔ پھر یہ ایسے مقام میں رہنے والے ہیں۔ جو خاص برکات والا ہے۔ کیونکہ مسیح موعود کے نزول کی جگہ ہے۔ یہاں کے لوگوں نے اس کا بہت اچھا جواب دیا ہے۔ اس وقت ۲۵ آدمی ہیں جنہوں نے اپنے نام پیش کئے ہیں۔ جب یہ خطبہ باہر جائیگا اور باہر کے لوگ بھی درخواستیں بھیجدیں گے۔ تو انتخاب کیا جائیگا۔ فی الحال میں یہ بتا دیتا ہوں کہ اخلاص الگ چیز ہے۔ اور کسی کام کا اہل ہونا الگ وہ لوگ جنہوں نے اپنے نام پیش کئے ہیں۔ انھوں نے ثواب حاصل کر لیا ہے۔ دس تو قادیان کی بیرونی آبادی میں سے ہیں۔ اور ۱۵ - اندرونی میں سے۔ ان میں سے دس تو اس قابلیت کے ہیں۔ کہ جو اب بھی باہر بھیجے جا سکتے ہیں۔ اس وقت ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کس کا عہد پورا ہوگا۔ مگر لئن شکرتم لازیدنکم کے ماتحت ہمارے لئے شکریہ بہرحال ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے۔ کہ وہ اس شکرگذاری کے بدلہ میں ہی ان دوستوں کو اپنے عہد کے پورا کرنے کی توفیق دے گا۔ جب باہر کے دوستوں کو اطلاع ہو جائیگی۔ اور وہاں سے بھی درخواستیں آ جائینگی۔ تو پھر انتخاب کر کے جن کو تجویز کیا جائیگا۔ ان کو اطلاع دیدی جائیگی۔ فی الحال جن کی درخواستیں آ چکی ہیں۔ ان کو فرداً فرداً بتلانے کی بجائے اس وقت اطلاع دیتا ہوں کہ ان کے نام میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں قواعد بنا کر ان کو اطلاع دونگا۔ اگر وہ ان قواعد کو منظور کر لیں گے۔ تو پھر ان کے نام مشتہر کر دیئے جائیں گے۔

اس کے ساتھ ہی میں اپنے یہاں کے دوستوں کو ایک نئے فرض کی طرف بھی متوجہ کرتا ہوں۔ درس میں کئی دن سے مہمان نوازی کا ہی مضمون شروع ہے۔ یہ آیات جو میں نے پڑھی ہیں ان میں مہمان نوازی کا ہی ذکر ہے۔

حضرت لوط جس بستی میں رہتے تھے وہ ساری کی ساری مہمان نوازی کے خلاف اور ان کی دشمن تھی اور لوگ ان کو مہمان نوازی اور مسافروں کو ٹھیرانے سے منع کرتے ہیں۔ مگر باوجود اس تنگی اور مشکل کے جو ان پر تھی پھر بھی وہ مسافروں کو لے آتے تھے۔ اور ان کی مدارات کرتے تھے۔ دیکھئے وہ اپنے نفس کے لئے نہیں۔ بلکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے بہت سی دقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے تھے۔ آپ ایک دن جب معمول باہر گئے۔ اور کچھ مسافروں کو دیکھ کر انہیں کہا۔ چلو میرے ہاں ٹھہرو۔ انھوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ لیکن آپ ان کو لیجانے پر اصرار کرتے رہے۔ جب اس پر بھی انھوں نے نہ مانا تو حضرت لوط نے کہا۔ آج میرے لئے کیسا مصیبت کا دن ہے۔ گویا مہمانوں کا ان کے ہاں نہ جانا ان کے لئے مصیبت بن گئی۔ آخر آپ ان لوگوں کو اپنے گھر لے گئے۔ جب ان کی قوم کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے آ کر کہا کہ لوط ہم نے تجھے منع نہیں کیا ہوا کہ لوگوں کو یہاں نہ لایا کرو۔ اس پر حضرت لوط ان لوگوں

کے روبرو رہا ہیں کہتے ہیں۔ کہ تم مہمانوں کو ذلیل نہ کرو۔ اس میں میری ذلت ہے۔ دیکھو باوجود حضرت لوط اپنی اس بیچارگی کے قوم سے کہتے ہیں کہ تم اگر میرے مہمانوں کو ذلیل کروگے تو اس میں میری ذلت ہوگی۔

یہ نہایت درجہ کے اخلاق کی بات ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ پس میں آپ لوگوں کو جو ایک نبی اور رسول کے ماننے والے ہو تاکید کرتا ہوں۔ کہ آپ کے ہاں مہمان آئیں گے۔ آپ لوگ خوشی کے ساتھ ان کی خدمت کریں۔ آپ لوگ منتظمین کے پاس جائیں۔ اور ان سے کہیں کہ ہم جس کام کے قابل ہوں ہمیں بتایا جائے تاکہ ہم کریں۔ اگر تم پر کسی مہمان کی طرف سے کوئی سختی بھی ہو۔ تو اس کو بھی برداشت کرنا چاہئے۔ کیونکہ جو شخص مہمان کو ذلیل کرتا ہے۔ وہ بڑا ہی کمینہ ہے۔ لوگ دنیاوی باتوں میں کہا کرتے ہیں۔ کہ ناک کٹ گئی۔ حالانکہ ان باتوں میں تو ناک نہیں کٹتی۔ لیکن جو شخص مہمان کو ذلیل کرتا ہے۔ اس کی یقیناً ناک کٹ جاتی ہے۔ مہمان نوازی انبیاء کی خاص صفت ہوتی ہے اس لئے ان کے متبعین میں بھی اس کا ہونا ضروری ہے۔ حضرت خدیجہ نے جب نبی کریم نے وحی کی ابتدا کا حال سنایا۔ تو کہا تھا کہ آپ مہمان نواز ہیں۔ خدا آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ تعالےٰ آپ لوگوں کو توفیق دے کہ آپ مہمان نوازی کا حق ادا کریں۔

غیر مبائعین کا ناکام جلسہ

غیر مبائعین کو اپنی کوششوں میں جس قدر ناکامی اور نامرادی حاصل ہو رہی ہے۔ اس کا تازہ ثبوت ان کا حال کا سالانہ جلسہ نہایت کھلے طور پر پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ۲۔ جنوری کے پیغام صلح میں لکھا گیا ہے کہ

"باہر سے احباب امسال افسوس ہے کہ اس قدر نہیں آئے جتنے کہ آنے چاہئیں۔ بیرونی جماعتوں کے تمام سکرٹریوں کو اس طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے"

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ غیر مبائعین کا جلسہ کس قدر ناکام رہا۔ لیکن باوجود ناکامی کے اس اعتراف کے معلوم انہوں نے یہ م

حضرت مسیح موعود کا ایک کشف
اور
اس کا حقیقی مصداق

۹۔ دسمبر ۱۹۱۷ء کے پیغام میں حضرت مسیح موعود کے ایک پرانے کشف کو جو براہین احمدیہ حصہ چہارم کے صفحہ ۵۰۳ و صفحہ ۵۰۴ کے حاشیہ در حاشیہ میں مذکور ہے۔ پیغام کے اڈیٹر نے مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ پر چسپاں کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس کشف کا مصداق مولوی محمد علی کے ترجمہ کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ہے۔ ایڈیٹر مذکور کی محض جہالت اور بناوٹ ہے کہ جس کشف کو پیغامی ترجمہ کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت ہی نہیں وہ خواہ مخواہ ازراہ تحکم اس پر چسپاں کر رہا ہے۔

اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ بتائیں کہ اس کشف کا مصداق حقیقی محمد علی صاحب کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کی حقیقت اور اس کا حقیقی مصداق وہ واقعہ ہے۔ جو ۱۸۹۶ء میں ظہور میں آچکا۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم اس اجمال کی تفصیل کریں پہلے اس کشف کا نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود اپنے کشف کے متعلق آنحضرت صلعم علیؓ۔ فاطمہؓ حسنینؓ کی ملاقات کا ذکر فرماتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔ "پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھکو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے۔ جس کو علی نے تالیف کیا ہے۔ اور علی وہ تفسیر تجھکو دیتا ہے۔ فالحمد للّٰہ علی ذالک پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا"

"انک علےٰ صراط مستقیم فاصدع بما تؤمر واعرض عن الجاہلین"

اسی کشف کے متعلق حضرت ممدوح اپنی کتاب آئینہ کمالات کے صفحہ ۵۵۰ پر عربی عبارت میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ "ورأیت ان علیاً رضی اللّٰہ عنہ یرینی کتاباً و یقول ھذا تفسیر القرآن انا الّفتہ وامرنی ربی ان اعطیک فبسطت الیہ یدی واخذتہ وکان رسول اللّٰہ یری ویسمع ولا یتکلم کانّہ حزین لاجل بعض احزانی"

"یعنی میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ کہ آپ مجھے ایک کتاب دکھاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر قرآن ہے۔ جو میری ہی تالیف کردہ ہے۔ اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ اس تفسیر کو آپ کی خدمت میں بطور عطیہ کے پیش کروں۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور آپ سے اس تفسیر کو لے لیا۔ اور اس وقت رسول اللہ صلعم ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ اور ہماری باتوں کو بھی سن رہے تھے۔ لیکن آنحضور نے کوئی کلام نہیں فرمایا۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا سکوت اور کلام نہ فرمانا۔ میرے بعض احزان کی وجہ سے حزین خاطر ہونے کے باعث تھا"

پیغام کا ایڈیٹر آئینہ کمالات کی اس عربی عبارت کو نظر انداز کرکے۔ یا بوجہ بے علمی اس سے غافل ہونے سے صرف براہین والے فقرات کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتا ہے۔ "وہ علی کون ہے جس نے یہ تفسیر قرآن لکھی۔ اور مسیح موعود کو دی۔ اگر علی سے یہاں مراد مولوی محمد علی صاحب نہیں۔ جو علم الٰہی میں پیشتر سے اس پاک کام کے کرنے کے لئے مقرر ہو چکے تھے"۔

(تو اور کون ہے۔ راقم)

پھر لکھتا ہے۔ "جہاں پانچ تنوں کا ذکر ہے۔ وہاں ساتھ حضرت علی لکھا ہے۔ اور یہاں صرف علی۔ جو اس بات پر صاف طور پر شاہد ہے۔ کہ اس علی سے حضرت علی مراد نہیں۔ اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے۔ تو بتاؤ اس کشف کے معنے کیا ہوسکتے۔ وہ کونسی تفسیر ہے جو حضرت علی نے لکھی۔ اور حضرت مسیح موعود کو دی"۔

اس پچھلی عبارت کی تغلیط اور تردید کے لئے تو حضرت مسیح موعود کی عربی عبارت ہی کافی ہے۔ کہ علی سے مراد حضرت علی ہی ہیں۔ نہ محمد علی پیامی۔

اطلاع یہ تار بھیجکر اخبارات میں کس مزے سے شائع کرائی ہے کہ "صدر انجمن احمدیہ کا سالانہ جلسہ لاہور میں ۲۴-۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر کو منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد کافی تھی۔ اور فرقہ احمدیہ کے تمام ممبر ہندوستان کے ہر گوشہ اور خاصکر پنجاب سے شریک ہوئے تھے" ان دونوں بیانات کے پڑھنے سے دروغ گو را حافظہ نباشد کی مثل اپنر نہایت صاف طور پر صادق آرہی ہے۔

باقی رہا یہ کہ حضرت علی کے تفسیر دینے کی کیا تعبیر ہے۔ سو واضح ہو کہ براہین والی عبارت کے بعد حضرت مسیح موعود کا یہ فرمانا کہ پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا کہ انک علیٰ صراط مستقیم۔ یہی آپ کے اس کشف کی تعبیر ہے۔ کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ تمام باطل پرستوں پر غلبہ حاصل کرنے والے ہوئے۔ کیونکہ مذاہب کے مقابلہ میں غلبہ اور علو صراط مستقیم کا ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ علاوہ اس کے اتنا اور عرض کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ کہ کشوف اور رویاء علی العموم ماوّل اور تاویل طلب ہوا کرتے ہیں۔ جن میں اگر کوئی حصہ محکمات کی صورت میں بھی ہو۔ تو بھی کچھ نہ کچھ متشابہات کا رنگ بھی ضرور اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ جیسا کہ حضرت یوسف کے خواب میں اگر گیارہ کا عدد اور سجود و تذلل کا پہلو محکم تھا تو شمس و قمر اور کواکب کا نظارہ متشابہ جو معنوی پہلو کے لحاظ کر تشبیہ کی بنا پر دکھایا گیا۔

حضرت مسیح موعود کی مشابہت حضرت علی سے

اسی طرح بعض فطرتوں کو بعض سے مشابہت ہوتی ہے جس کی بنا پر کسی ہم فطرت کا کشف و رویا میں کسی کو کچھ دینا اس عطیہ کے لحاظ سے ایک مناسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے شخص مرئی کے نام کو بھی تعبیر خواب میں بہت بڑا دخل ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث بھی اس کی مصدق پائی جاتی ہیں سو حضرت علی کا حضرت مسیح موعود سے کشفی عالم میں ملاقات کرنا ایک تو اس مناسبت کا اظہار کرتا ہے۔ جو حضرت علی کو حضرت مسیح موعود سے یا حضرت مسیح موعود کو حضرت علی سے ہے۔ اس بات کی تصدیق کہ حضرت مسیح موعود کو نوع حضرت علی سے روحانی مناسبت ہے۔ حضرت مسیح موعود کے اس الہام سے بھی ظاہر ہوتی ہے جس میں آپ کو علی کے نام سے مخاطب فرمایا گیا اور وہ یہ ہے۔ یا علی دعهم و انصارهم وزراعتهم۔ اور ایسا ہی آپ کی اس رویا سے بھی۔ جس کے متعلق آپ لکھتے ہیں۔ "کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ بن گیا ہوں یعنی خواب میں ایسا معلوم کرتا ہوں۔ کہ وہی ہوں...... اس وقت .... ایسی صورت واقعہ ہے کہ ایک گروہ خوارج کا میری خلافت کا مزاحم ہو رہا ہے۔" دیکھو آئینہ کمالات صفحہ ۲۱۸ و صفحہ ۲۱۹ دوسری حضرت علی کی ملاقات کی یہ بھی تعبیر ہے کہ حضرت مسیح موعود کو کوئی ایسی چیز عطا ہوگی جس کا نتیجہ وہ حقیقت ہے جو اسم علی کے مفہوم میں داخل ہے۔ یعنی علو و غلبہ۔ نصرت علی الاعداء جیسا کہ تعطیر الانام میں بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ رؤیاه فی المنام تدل علی النصر علی الاعداء وان رآه عالم نال علما ونسکا وجلالة وقوة علی مناظرته ومن رآه اکرم بالعلم ورزق السماء والشجاعة یعنی حضرت علی کو خواب میں دیکھنا دشمنوں پر غالب اور منصور ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر عالم شخص آپ کو خواب میں دیکھے تو اسے علم عبادت اور جلال و عظمت اور مناظرہ میں قوت اور غلبہ اور علو مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ ایسا ہی آپ کو دیکھنے سے علم کے علاوہ سخاوت۔ شجاعت نیز اکرام اور اعزاز بھی حاصل ہوتا ہے۔

حضرت علی کا تفسیر عطا کرنا

اب حضرت علی کا حضرت مسیح موعود کو اپنی تفسیر قرآن عطا کرنے کی یہ تعبیر ہوگی کہ حضرت مسیح موعود کو علم تفسیر قرآن ایسا عطا ہوگا کہ جس سے آپ کا مقابلۃً دنیا بھر میں علو مرتبہ ظاہر ہو۔ اور چونکہ علو مرتبہ اور نصرت علی العدا مقابلہ کو بھی چاہتا ہے اس لحاظ سے حضرت مسیح موعود کی تمام اعجازی تصانیف کہ جو قرآنی حقائق و معارف سے پر ہیں۔ اور جن کا مقابلہ کرنے سے دنیا بھر کے نامدار عاجز ثابت ہوئے۔ واقعی ان سے حضرت مسیح موعود کا علو مرتبہ ظاہر ہوا۔ لیکن علاوہ اس عام تعبیر کے اس تفسیر کی ایک خاص تعبیر بھی ہے۔ جس کی طرف ہم نے اپنے اس مضمون کے ابتدا میں ہی اشارہ کیا تھا کہ حضور کا وہ کشف ۱۸۹۶ء کے واقعہ سے پورا ہو چکا ہے۔ اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۸۹۶ء میں لاہور میں ایک جلسہ اعظم مذاہب قائم ہوا تھا جس میں تمام مذاہب کے چیدہ چیدہ فضلاء نے اپنے اپنے مذہب کی صداقتوں اور خوبیوں کو اپنی اپنی مذہبی کتب سے پیش کیا تھا۔ اس جلسہ میں اسلام کی خوبیوں اور صداقتوں کو صرف قرآن کریم سے دکھانے کے لئے حضرت مسیح موعود کا بھی ایک مضمون پیش ہوا تھا۔ وہ مضمون کیا تھا۔ اور کیسا تھا۔ اور کس شان اور عظمت کا تھا اس کے متعلق حضرت مسیح موعود کے اس اشتہار سے جو حضور کی طرف سے اس مضمون کے غلبہ اور برتری کی نسبت قبل از وقت بطور پیشگوئی شائع ہوا تھا چند الفاظ کا نقل کر دینا کافی ہوگا۔ حضرت ممدوح لکھتے ہیں کہ

"یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے۔ ...... اور جو شخص اس مضمون کو اول سے آخر تک پانچ سوالوں کے جواب میں سنیگا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہوگا۔ اور ایک نیا نور اس میں چمک اٹھیگا۔ اور خدا تعالےٰ کے پاک کلام (یعنی قرآن کریم) کی ایک جامع تفسیر اس کے ہاتھ آ جائیگی۔..... مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے۔ کہ یہ مضمون سب پر غالب آئیگا۔

میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ .... ایک شخص جو میرے پاس کھڑا ہے بلند آواز سے بولا اللہ اکبر خربت خیبر۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس جگہ سے میرا دل مراد ہے۔ جو جائے نزول و حلول انوار ہے۔ اور وہ نور قرآنی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذہب ہیں۔ جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے

کشف کی تعبیر

اب اس کے ساتھ حضرت مسیح موعود کا الہام "کتاب الولی ذو الفقار علی" بھی ملاؤ جس کے

ق حضرت ممدوح فرماتے ہیں۔ " وہی کی کتاب علی کی ذوالفقار کی طرح ہے۔ یعنی مخالف کو نیست و نابود کردینے والی ہے۔ اور جیسے علی کی تلوار نے بڑے بڑے خطرناک معرکوں میں نمایاں کار دکھلائے تھے ایسا ہی یہ بھی دکھلائیگی۔"

اب ان شواہد اور قرائن کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ حضرت مسیح موعود کے اس کشف کی تعبیر دیکھئے جس کو صاف طور پر پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کی کتاب اور آپ کا زور قلم اعجازی معنوں میں حضرت علی کی تلوار کی طرح ہی ہے جس کا ظہور خصوصیت کے ساتھ جلسہ اعظم مذاہب میں اس زبردست اور پرعظمت و پرجلال و پرشوکت مضمون کے ذریعہ وقوع میں آیا ہے۔ جسے حضرت ممدوح نے قرآن کریم کی جامع تفسیر قرار دیا۔ اور جس کے بالمقابل اللہ اکبر خربت خیبر کے الہام سے تمام مذاہب باطلہ کو خیبر سے تعبیر کیا۔ اور غزوہ خیبر کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہاں حضرت علی کی تلوار اور آپ کی ذوالفقار ہی باطل پر ایک عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تھی۔ علاوہ عمل قوت اور ظاہری کمالات کے حضرت علی کو علمی اور نظری کمال بھی وہ حاصل تھا جس کو حضرت مسیح موعود نے ایک جامع تفسیر قرآن بھی قرار دیا کہ قرآن کریم کے عجائبات اور عجیب و غریب معارف و حقائق کا انکشاف اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آپ نے فرمایا لو شئت لاوقرت سبعین بعیرا من تفسیر فاتحۃ الکتاب یعنی اگر میں چاہوں تو صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں اور پھر ؎

جراحات السنان لہا التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

کی ضرب المثل سے ظاہر ہے کہ کلام اپنی تاثیر میں سیف و سنان سے کم نہیں۔ بلکہ بڑھ کر ہے۔ پس حضرت مسیح موعود کا جلسہ اعظم مذاہب والا مضمون جو اپنی تاثیر کی وجہ سے خصوصیت سے ذوالفقار سے مشابہت رکھتا ہے اور جلسہ مذکور کے دیگر مذاہب باطلہ جو خیبر سے تعبیر کئے گئے۔ ان قرائن قویہ صحیحہ نے بتلا دیا کہ حضرت مسیح موعود (حضرت علی کی تعبیر والے) کشف کا حقیقی مصداق جلسہ اعظم مذاہب والا آپ کا زبردست اور فاتح مضمون ہے۔ نہ محمد علی پیامی کا ردی ترجمہ جسے اس کشف سے کچھ بھی مناسبت نہیں۔

مولوی محمد علی صاحب کا ترجمہ قرآن اور کشف

پھر مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ کو اس کشف کا مصداق قرار دینا کئی طرح سے غلط ہے۔

(۱) اس لئے کہ مولوی محمد علی صاحب نے اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں خود اقرار کیا ہے کہ "وہ تمام بہترین خیالات جو اس کتاب کے اندر شامل ہیں۔ اس زمانہ کے عظیم الشان مذہبی پیشوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی کے فیوض کا نتیجہ ہیں۔"

اب دیکھئے مولوی محمد علی صاحب نے اپنا یہ ترجمہ اور تفسیر بلحاظ استفاضہ کے حضرت مسیح موعود سے لیا ہے نہ کہ دیا ہے۔ غور کرو۔

(۲) اس لئے کہ اس کشف میں دینے والے حضرت علی ہیں۔ اور لینے والے حضرت مسیح موعود۔ جس کا ظہور حضرت مسیح موعود کے زمانہ حیات میں ہی وقوع میں آگیا۔ اس صورت میں مولوی محمد علی صاحب کا ترجمہ باوجود اس مغائرت کے جو محل افاضہ و استفاضہ اور نیز ماہیت استفاضہ اور افاضہ کی مغائرت کو ظاہر کر اس کشف کا مصداق کیونکر ہوا۔

(۳) اگر بطور فرض اس امر کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ حضرت مسیح موعود کے اس کشف کا مصداق مولوی محمد علی صاحب کا ترجمہ ہے۔ تو اس ترجمہ سے حضرت مسیح موعود کو استفاضہ کیسے حاصل ہوا۔ کیونکہ قرآن کریم آنحضرت کی اس بعثت ثانی کے زمانہ میں آپ کے مظہر اتم حضرت مسیح موعود کی تصدیق میں اپنی آیت آیت کو پیش کرتا ہے۔ اور بعض مخصوص مقامات کہ جنہیں حضرت مسیح موعود نے اپنی صداقت دعوے میں پیش کیا ہے ان میں سے مولوی محمد علی صاحب نے کسی کا بھی ترجمہ میں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ کتمان شہادت کے جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے ہر جگہ ڈاکٹر عبدالحکیم کی مماثلت کا ثبوت دیا ہے۔ اور جس طرح ڈاکٹر مذکور نے پہلے جابجا قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود کی تصدیق کی لیکن جب مخالف ہو گیا۔ تو پھر انہی مقامات کی تحریف و تبدیل سے کچھ کا کچھ دکھا دیا۔ اسی طرح محمد علی نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی اڈیٹری میں ایک زمانہ تک قرآن کریم کی مختلف آیات سے آپ کے دعاوی کی تصدیق کو پیش کیا۔ مگر اب موجودہ ترجمہ میں جابجا کتمان شہادت کے کام کو عمل میں لایا۔ کیا ایسا ترجمہ کہ جس میں بجائے اس کے کہ حضرت مسیح موعود کی کسی قسم کی تصدیق اور تائید کی گئی ہو۔ جابجا آپ کے مصدقہ مقامات اور آیات کے ذکر سے اعراض سے کام لیا گیا۔ اس قابل ہے کہ اسے اس کشف کا مصداق قرار دیا جاسکے۔

مولوی محمد علی کو ترجمہ کا سارٹیفکیٹ

یہ کہنا کہ حضرت خلیفہ اول نے اس ترجمہ کے مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کا سارٹیفکیٹ دیا۔ اور جماعت کو بڑے زور سے نصیحت کی کہ اس سے ہرگز انکار نہ کرو۔ اس کے جواب میں واضح ہو کہ اول تو مولوی محمد علی صاحب خود ہی قسم کھا کر بتائیں کہ کیا یہ وہی ترجمہ ہے کہ جو حضرت خلیفہ اول کے وقت تیار کیا تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی بھی ترمیم و تنسیخ اور تحریف و تبدیل نہیں کی گئی۔ یا یہ وہ ترجمہ ہے جو تحریف و تبدیل ہونے سے اپنی قبولیت کا بھی آپ ہی مبطل ہو گیا۔

پھر علاوہ اس کے حضرت خلیفہ اول کا یہ سارٹیفکیٹ محض علی بدو طہوری کے الہام کی بنا پر تھا جس کی حسن ظنی کی بنا پر تصدیق فرماتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ یہ مقبول ہے۔ لیکن الہام کی صحت کا پتہ اس سے لگ گیا۔ کہ ترجمہ ناتمام رہا۔ حالانکہ مبارکباد بھی اتمام ترجمہ کے لئے سنائی گئی۔ جو واقعات سے الہام کی تصدیق نہ کر سکی۔

باقی وارد

خاکسار

غلام رسول راجیکی۔ از لاہور

فہرست نو مبائعین

بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۱۷ء

یہ نمبر شمار جنوری ۱۹۱۶ء سے شروع ہوتا ہے مگر اسے بالکل مکمل نہ سمجھنا چاہئے۔ بعض ایسے لوگ جو قادیان آکر بیعت کرتے ہیں۔ ان کے نام محفوظ رکھنے کی اس وقت تک کوئی مناسب تدبیر نہیں کی گئی۔ پھر بعض ڈاک کے ذریعہ بیعت کرنیوالوں کے نام بھی مہتمم ڈاک کی فہرست سے کسی نہ کسی باعث سے رہجاتے ہیں۔ دفتر الفضل کو جس قدر نام مہیا ہوسکتے ہیں۔ ان کو شائع کر دیا جاتا ہے۔ اور انہیں کا یہ نمبر شمار ہے۔ (ایڈیٹر)

نمبر	نام	مقام
۱۱۸۵	محمد اسمٰعیل صاحب	پٹیالہ
۱۱۸۶	اہلیہ صاحبہ منشی محمد یوسف صاحب	بنا
۱۱۸۷	ہمشیرہ صاحبہ ”	”
۱۱۸۸	ہمشیرہ سید احمد نمبردار	سیالکوٹ
۱۱۸۹	مولوی عبد المجید صاحب	جے پور
۱۱۹۰	منشی برکت اللہ صاحب	پٹیالہ
۱۱۹۱	والدہ عزیز الدین صاحب	سیالکوٹ
۱۱۹۲	میاں سبحان صاحب	جالندھر
۱۱۹۳	فتح محمد صاحب	گجرات
۱۱۹۴	عبد الکریم صاحب	پشاور
۱۱۹۵	عائشہ زوجہ اللہ دتا صاحب	گوجرانوالہ
۱۱۹۶	محمد بابو صاحب	لدھیانہ
۱۱۹۷	راجوی خاں صاحب	لائل پور
۱۱۹۸	نذیر احمد صاحب	جہلم
۱۱۹۹	زینب زوجہ محمد شاہ صاحب	لاہور
۱۲۰۰	برکت اللہ صاحب	پٹیالہ
۱۲۰۱	جان محمد صاحب	الہ آباد
۱۲۰۲	سید نصیر الدین صاحب	دکن
۱۲۰۳	سید عبد الرزاق صاحب	بنگالہ
۱۲۰۴	شیخ عباس صاحب	”
۱۲۰۵	مساۃ یا قوتی بی بی	”
۱۲۰۶	ستارہ بی بی زوجہ پیر محمد صاحب	دکن
۱۲۰۷	حیات بی بی	”
۱۲۰۸	قاسم بی بی زوجہ ابراہیم صاحب	”
۱۲۰۹	والدہ غلام رسول صاحب	لدھیانہ
۱۲۱۰	ہمشیر کلاں ”	”
۱۲۱۱	ہمشیرہ خورد ”	”
۱۲۱۲	رشید محمد صاحب	”
۱۲۱۳	شفیع محمد صاحب	”
۱۲۱۴	محمد اسماعیل صاحب	شوہلا پور
۱۲۱۵	منگینا صاحب زرگر	کشمیر
۱۲۱۶	محمد رمضان صاحب	سیالکوٹ
۱۲۱۷	محمد الدین صاحب	گجرات
۱۲۱۸	محمد بخش صاحب درزی	شاہ پور
۱۲۱۹	ماہی صاحب	فیروزپور
۱۲۲۰	فتح بی بی	سیالکوٹ
۱۲۲۱	محمد صاحب	لدھیانہ
۱۲۲۲	جمال بی بی	لاہور
۱۲۲۳	ہیر بی بی	”
۱۲۲۴	صاحبزادی غلام احمد صاحب	”
۱۲۲۵	چراغ بی بی	”
۱۲۲۶	سائیں محمد بوٹا صاحب فقیر	امرتسر
۱۲۲۷	فاضل شاہ صاحب	دہلی
۱۲۲۸	دشن صاحب	گجرات
۱۲۲۹	حسن صاحب	”
۱۲۳۰	امام صاحب	دکن
۱۲۳۱	احمد الدین صاحب	سرگودہ
۱۲۳۲	خان بہادر صاحب	”
۱۲۳۳	محمد ہزار صاحب	”
۱۲۳۴	شیخ انیس صاحب	بنگالہ
۱۲۳۵	گل نام صاحب	بنوں
۱۲۳۶	حبیب الرحمن صاحب	پٹیالہ
۱۲۳۷	اہلیہ صاحبہ ”	”
۱۲۳۸	والدہ ابراہیم صاحب	گجرات
۱۲۳۹	محمد رسول صاحب	پشاور
۱۲۴۰	میرزا افضل احمد صاحب	پشاور
۱۲۴۱	ملا محمد علی صاحب	”
۱۲۴۲	والدہ زینب اہلیہ رحمت اللہ صاحب احمدی	ہوشیارپور
۱۲۴۳	اہلیہ گلاب الدین صاحب	لائل پور
۱۲۴۴	نظام خاں صاحب	میسور
۱۲۴۵	بشیر الدین احمد صاحب	بھاگلپور
۱۲۴۶	کرم الدین صاحب	لائل پور
۱۲۴۷	منگو صاحب	لدھیانہ
۱۲۴۸	محمد حسین صاحب	گجرات
۱۲۴۹	فضل الدین صاحب	لالہ موسیٰ
۱۲۵۰	اہلیہ وحید خان صاحب	پٹیالہ
۱۲۵۱	زوجہ ولی محمد صاحب	”
۱۲۵۲	امیر عالم صاحب	”
۱۲۵۳	قطبہ بنت سراج الاسلام صاحب	نیپٹرا
۱۲۵۴	حمید النساء	بنگال
۱۲۵۵	کریم بخش صاحب	پشاور
۱۲۵۶	عبد الرحمن صاحب	منٹگمری
۱۲۵۷	کرم الٰہی صاحب	کیمل پور
۱۲۵۸	عبد اللطیف خاں صاحب	بمبئی
۱۲۵۹	عبد اللہ صاحب	افریقہ
۱۲۶۰	شیخ جعفر صاحب	بنگالہ
۱۲۶۱	جناب علی صاحب	”
۱۲۶۲	والدہ کریم بخش صاحب	ملتان
۱۲۶۳	عبد الجبار خاں صاحب	جہلم
۱۲۶۴	عبد الوہاب صاحب	سیالکوٹ
۱۲۶۵	بنت احمد الدین صاحب	امرتسر
۱۲۶۶	محمد ابراہیم احمد صاحب	بھاگلپور
۱۲۶۷	غلام فاطمہ	امرتسر
۱۲۶۸	عبد السبحان صاحب	کشمیر
۱۲۶۹	عبد الغفار صاحب	”
۱۲۷۰	عبد الصمد صاحب	”
۱۲۷۱	مساۃ ولیہ	جالندھر
۱۲۷۲	سید محمد شریف صاحب	سیالکوٹ
۱۲۷۳	اہلیہ شیخ غلام حیدر صاحب	بریلی

(۱۲۷۴) مساۃ رحمت بی بی - لائل پور (۱۲۷۵) ڈاکٹر مصاحب خاں صاحب. گوڑگانواں (۱۲۷۶) محمد احمد صاحب دہلی (۱۲۷۷) اہلیہ منشی محمد گلاب صاحب سیالکوٹ (۱۲۷۸) محمد الدین صاحب گجرات (۱۲۷۹) میاں منگو صاحب پٹیالہ (باقی آئندہ)

باہتمام شیخ عبد الرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر (۵۶۸) ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپکر بالکان سے شائع ہوا